ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

تہذیبی بکھراو(diaspora)اور شناخت کا بحران(زاہدہ حنا کے منتخب افسانے)

Diaspora and identity cricess (Zahida Hina's slective short stories)

مہرین صبا
پی ایچ ڈی ریسرچ اسکالر:،وفاقی اردو یونی ورسٹی برائے فنون سائنس و ٹیکنالوجی اسلام آباد
ڈاکٹر ناہید قمر
ایسوسی ایٹ پروفیسر (شعبہ اردو)وفاقی اردو یونی ورسٹی برائے فنون سائنس و ٹیکنالوجی اسلام آباد

Meharin Saba
PHD Urdu, Federal Urdu University of Arts, Sciences & Technology Islamabad
Dr Naheed Qamar
Associate professor, department of Urdu, Federal Urdu University of Arts, Sciences & Technology Islamabad

Abstract:
The term diaspora is used in post-colonial studies of migration. The term is associated with the anthropological and social sciences. Schaeffer, Cohen, and Safran characterize the diaspora as the term diaspora that refers to the Jewish exile and desire to return home. is connected toThe diaspora narrative has two critical dimensions. The first deals with cultural fragmentation and the second with literary theory, particularly in the European colonial system. In the European neo-demographic system, especially in the nineteenth and twentieth centuriesIt made people homeless, which resulted in new discussions of cultureDiaspora wants to maintain its identity in a foreign land, the dimensions of Pakistani diasporic literature begin with writers who migrated to the new country of Pakistan.Most of Zahida Hina's works deal with diaspora. In this article, Zahida Hina's book Raqs Bismal Hai رقص بسمل ہے is reviewed regarding the identity crisis of diaspora.

Keywords: Diaspora, Exil, Migration , Identity crisis, Zahida hina , Madoom ibne madoom , Manzil hai teri kahan , Hova phir sy hukam sadir

ہجرت اور ترک وطن دورِ حاضر میں انسان پر اثر انداز ہونے والے عوامل میں آج بھی طاقت ور عنصر ہے۔مابعد نو آبادیاتی مطالعہ میں اس کے لیے ڈائیاسپورا کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔یہ لفظ یونانی الاصل ہے۔جو دو متضاد معنی اپنے اندر رکھتا ہے۔Dia معنی بکھرنا،انتشارSpora بمعنی بیج بونا،جہاں ایک طرف اس کی ترکیب کا ایک حصہ انتشار اور بکھراؤ کا غماز ہے تو اس کا دوسرا حصہ استحکام یا نئی جڑوں اور نئی زندگی کا آغاز کا اظہار ہے۔ابتدائی طور پر،اس اصطلاح کا تعلق بشریاتی اور سماجی علوم سے تھا۔بعد میں،بڑھتی ہوئی عالمگیریت نے اصطلاح کو ہجرت اور ترقی کے مطالعے سے جوڑا۔اس کے علاوہ،مختلف عہدوں پر اپنے آبائی وطن سے باہر کے افراد کے بین الاقوامی تعلقات جیسے سیاسی پناہ گزین یا جلاوطن،ہجرت کرنے والے،مہاجر کارکنان،بیرون ملک تعلیم حاصل کرنے والے طلباء،اور نسلی اقلیتیں بھی اس اصطلاح کے معنی کو وسیع کرتے ہیں۔"ڈائیاسپورا"کی اصطلاح اور اس کی خصوصیات کا جائزہ لیتے ہوئے زیادہ تر دستیاب لٹریچر شیفر،سفران اور کوہن کا حوالہ دیا جاتا ہے۔
شیفر نے سیاسی سائنس کے نقطہ نظر سے تارکین وطن کے نسلی اقلیتی گروہوں کو"میزبان ممالک میں رہائش پذیر اور کام کرنے والے لیکن اپنے آبائی ممالک کے ساتھ مضبوط جذباتی اور مادی روابط برقرار رکھنے"کے طور پر بیان کیا

"Ethnic minority groups of migrant origins residing and acting in host countries but maintaining strong sentimental and material links with their countries of origin".1

ولیم سفران نے ڈائیاسپورا کی خصوصیات بیان کی ہیں:
اپنے وطن سے دو یا زیادہ غیر ملکی علاقوں میں پھیل جانا،اپنے وطن کی اجتماعی یاد رکھنا،اپنی میزبان ریاست میں غم انگیز وطن کی بحالی یا اپنے وطن کو"مثالی"بنانے کے لیے پرعزم ہونا اور آخری خصوصیت ایک مشترکہ قسمت میں یقین کے ساتھ مضبوط نسلی گروہ کا شعور ہے۔

> "Dispersal from their homeland to two or more foreign regions; having a collective memory of their homeland, "outrageous" in their host state, committed to maintenance or restoration of homeland and "idealizing" their

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

homeland; and the last characteristic – strong ethnic group consciousness with a belief in a common fate".2

ڈائیاسپورا یا بکھراؤ، انتشار کی اصطلاح مابعد نو آبادیاتی مطالعہ میں یہودیوں کی جلاوطنی اور ان کی وطن واپسی کی شدید خواہش کے سیاق وسباق سے جڑی رہی۔ ولیم سفران نے 1991 میں اس کا جائزہ لیا اور اس اصطلاح کے خدوخال کا احاطہ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن انھوں نے یہودی بکھراؤ(Diaspora) یا انتشار کو اپنے سامنے ایک رول ماڈل کے طور پر رکھا۔ اس بکھراؤ کے پیچھے جو محرکات ہیں ان کو بھی متعین کرنے کی کوشش کی گئی۔ ان کے نزدیک جلاوطن یا ترکِ وطن میں اپنے جنم بھومی سے زبردستی سیاسی، معاشی، معاشرتی دباؤ کے تحت جدا کر دیے جاتے ہیں۔ لہذا وہ مہاجریت کے ساتھ کسی اجنبی دیس میں اجنبی لوگوں کے ساتھ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں ۔ شعوری اور لاشعوری طور پر میزبان ملک میں جڑیں پیوست کرنا چاہتے ہیں۔ وطن اور ماضی کی کربناک یادوں کو سینے سے لگائے رکھتے ہیں۔

"کوہن نے اس بات پر زور دیا ہے کہ اصل وطن سے منتشر ہونا اکثر تکلیف دہ ہوتا ہے۔ اس نے ڈائیاسپورا کی پانچ لحاظ سے درجہ بندی کی ہے جیسے متاثرین ڈائیاسپورا"(یہودی، آرمینیائی)، مزدور ڈئیاسپورا(ہندوستانی، اطالوی، فلپائنی)، سامراجی / نو آبادیاتی باشندے(قدیم یونانی، برطانوی، پرتگالی)، تجارتی تارکین وطن(لبنانی، چینی) اور ثقافتی تارکین وطن(کیریبین)"۔ ۳

اپنے ملک کے اندر ہجرت آبائی گاؤں چھوڑ کر شہر یا اپنے ہی ملک کے دوسرے علاقے میں جابسنا نقل مکانی کرنا۔ اس صورت میں ہجرت کرنے والے کی تہذیب مقامی تہذیب میں رنگ جاتی ہے۔ ڈائیاسپورا کے سبب اشخاص اپنی تہذیب و ثقافت سے دور ہو جاتے ہیں۔ کسی فرد کی شناخت میں اس علاقے کی ثقافت کا بہت اہم کردار ہوتا ہے۔ ڈائیاسپورا کا بیانیہ دو تنقیدی جہات کا حامل ہے۔ پہلی کسی معیار پر ڈائیاسپورا یا تہذیبی بکھراؤ کہا جائے گا۔ دوسری ڈائیاسپورہ کو ایک ادبی تھیوری کے طور پر پیش کرتا ہے۔

ایک وسیع و عریض ملک کے مختلف علاقوں میں انواع و اقسام کی تہذیبیں اور ثقافتیں پھلتی پھولتی رہتی ہیں۔ ہر جگہ کا کلچر دوسری جگہ کے کلچر، زبان، مذہبی عقائد، رسومات کے اعتبار سے الگ اور منفرد ہوتا ہے۔ نئی جگہ کی تہذیب و ثقافت فرد کے لیے اجنبی ہو تو وہ خود کو ثقافتی مہاجر تصور کرتا ہے۔ کلچر تضاد کا ایک سبب ثقافتی اور صنعتی فرق ہے۔ اخلاقی اور تہذیبی قدریں بیشتر لوگوں کے لیے قابلِ قبول نہیں ہوتی ہیں۔ اخلاقی اور تہذیبی قدروں کا نظر انداز کرنا تہذیبی بکھراؤ کا سبب بنتا ہے۔

نئے ملک، نئی تہذیب و اقدار کا یہ اختلاف اور ٹکراؤ تارکینِ وطن کی سماجی اور نفسیاتی زندگیوں میں پریشانی پیدا کرتا ہے۔ اصل سے بچھڑ جانے کے سبب وہ بے جڑی کا شکار ہو جاتے ہیں اور شناخت کے بحران کا مسئلہ سامنے آتا ہے تو اپنا وطن شدت سے یاد آنے لگتا ہے جسے ہم ناسٹلجیا کہتے ہیں۔ نئی جگہ پر یہ لوگ آدرش اور اعمال کے درمیان تضاد پیدا ہونے سے بیگانگی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ڈائیاسپورا ناسٹلجیا میں اپنی جنت گم گشتہ کی تلاش کرتے ہیں اور اپنے نئے ملک میں اس کو حاصل کرنے یا نئی جگہ پر اسے تخلیق کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

گزشتہ دو صدیوں سے دنیا بھر میں لوگوں کی بڑی تعداد مختلف وجوہات کی بنا پر ترکِ وطن اختیار کر رہی ہے۔ بالخصوص کالونیل نظام کے بعد پسماندہ ممالک کے باشندے معاشی و اقتصادی صورتحال کی بہتری کی غرض سے مغربی ممالک کی طرف ہجرت کر رہے ہیں۔ انسان ہجرت اور نقل مکانی کے بعد اپنی زمین اور اپنے ماضی سے جدا ہو کر اپنی جڑوں سے جدا ہو کر وہ اس ماضی اور اس زمین کو اپنے ذہن میں بسائے رکھتا ہے۔ اور مسلسل کرب میں مبتلا رہتا ہے اور بکھرتا چلا جاتا ہے۔ حب الوطنی انسانی نفسیات پر گہرے اثرات مرتب کرتی ہے۔۔ ڈائیاسپورا / تارکین وطن کو زبان اور کلچر کی تبدیلی کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ یورپی نو آبادیاتی نظام میں خاص طور پر انیسویں بیسویں صدی کے لوگوں کو بے گھر اور جلاوطن کر دیا جس کے نتیجے میں زبان اور کلچر کے نئے مباحث سامنے آتے ہیں۔

ڈائیاسپورا اپنے آبائی وطن کی ترقی کے خواہاں ہونے کے ساتھ ساتھ اجنبی دیس میں اپنی جنت گشتہ کی تلاش میں رہتے ہیں۔ وہ اپنی شناخت کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ اپنی یا اپنی نسلوں کی ثقافت کو میزبان ثقافت میں مدغم نہیں کرنا چاہتے۔

ادبی متون خصوصاً پوسٹ کالونیل تصورات میں ترکِ وطن کے مسائل یا ان کی کشمکش کا بیانیہ واضح طور پر موجود ہے۔ بہر حال ۴۷ء کی ہجرت کا ادب میں بھرپور اظہار کیا گیا ہے 'اردو کے اختراعی ادب میں ڈائیاسپورا(Diaspora) کا سوال برصغیر کی آزادی کے بعد اٹھایا گیا۔ برصغیر ہند کا اردو ڈائیاسپورا کا مسئلہ اس کا مسلم متوسط طبقہ ہے۔ جو ابھی تک اپنی اس غرہ سے نجات نہیں پا سکا۔ اردو ڈائیاسپورا کے اباواجداد نے وہاں حکومت کی اور دوسری طرف تقسیم برصغیر کے پچھتر سال کے بعد بھی وہ احساس کم مائیگی میں مبتلا ہیں۔ اسی طرزِ احساس کا نتیجہ ہے کہ جو ادب جلاوطنی کے حوالے سے لکھا جا رہا ہے۔ وہ نو آبادیاتی سماج میں اپنے لیے جگہ پیدا کرنے میں مدد دے رہا ہے۔ اور غالباً ہند تہذیب کی دیگر اقوام کے ساتھ باہمی میل جول یا ربط پیدا کرنے کی بہترین صلاحیت ہی اس کی ترقی اور وقت کے تقاضوں ساتھ ہم آہنگی میں توازن پیدا کرتی

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

ہے۔ جب کہ پاکستانی جلاوطن ادب (ڈائیاسپورک ادب) کی جہات کا آغاز ہی ایسے ادیبوں نے کیا۔ جو ہجرت کر کے نئے ملک پاکستان آئے تھے۔ انھوں نے ہجرت تو کی مگر اپنی یادوں میں آبائی وطن کو بسائے رکھا۔ یہ بات خاص طور پر ہندوستان سے آئے ہوئے ادیبوں کی تحریروں میں پائی جاتی ہے۔ شاعری میں منیر نیازی، ناصر کاظمی اور احمد مشتاق اور اردو ناول میں خدیجہ مستور، الطاف فاطمہ، قرۃ العین حیدر، انتظار حسین، طارق محمود، عبد اللہ حسین، زاہدہ حنا جب کہ پاکستانی انگریزی ادب کے حوالے سے بیپسی سدھوا، کاملہ شمسی اور محسن حامد کے نام قابل ذکر ہیں۔ قرۃ العین حیدر اور انتظار حسین نے ہجرت کے تجربے کو ایک روحانی اور باطنی تجربے کے طور پر پروان چڑھایا۔ یہ کرب اس وقت مزید بڑھ جاتا ہے جب انھیں اور ان کی طرح دوسرے لوگوں کو ان کی امیدوں اور خوابوں کی سرزمین پاکستان میں اپنی حیثیت کا احساس ہوتا ہے۔

زاہدہ حنا کی بیشتر تخلیقات کا بنیادی سروکار بکھراؤ (diaspora) ہے۔ ان لوگوں کے بکھرنے کا عمل جن کی نمو کا سرچشمہ ایک ہے، ثقافتی پس منظر ایک ہے۔ جن کے بیشتر رسم و رواج ایک ہے۔ جو بارہا ایک زبان، خطہ زمین، عقیدے، مشترک اقدار، اور معاشرے سے، ایک دوسرے سے منسلک ہوتے ہیں اور جن کا کھوئے جانے کا کرب ایک ہے۔ کو اپنی تحریروں میں سمویا ہے۔

ڈاکٹر انوار احمد لکھتے ہیں۔

"زاہدہ کو کراچی میں مقیم مہاجرت کا احساس رکھنے والے بہت سے تخلیق کاروں میں امتیاز حاصل ہے"۔ ۴.

زاہدہ حنا کا احساس مہاجریت یا ڈائیاسپورا جڑوں سے کٹ جانے کے المیائی احساس سے جنم لیتا ہے۔ جہاں وہ کربناک یادوں کے حصار میں چلے جاتے ہیں۔ اپنی شناخت کے سوالات بھی انھیں پریشان کرتے ہیں جڑوں سے اکھڑ جانے کا عمل ان کے یہاں یاس انگیز فضا تخلیق کرتا ہے۔ زاہدہ حنا کے ہاں جلاوطنی یا بکھراؤ کا احساس دو جہات سے بحث کرتا ہے۔ ایک نئے ملک میں اپنی جڑیں دوبارہ سے قائم کرنا، لیکن اپنے پشتینی وطن سے کٹ کر نئی مٹی میں جڑیں پانا اور اسے مضبوط کرنے کی فکر اور دوسرے اس ملک میں اپنی شناخت کا مسئلہ سب سے اہم ہے۔ فی الوقت یہ واحد متاع ہے جو زاہدہ حنا کے مہاجر کردار بچانا یا سینتنا چاہتے ہیں۔

تقسیم ہندوستان میں جہاں لاکھوں لوگ ہجرت کے کرب کا شکار ہوئے ان میں زاہدہ حنا اور ان کا خاندان بھی ہے ان کو اپنے آبائی علاقے سے ہجرت کیے دہائیاں بیت گئی مگر ان کا دل اور روح آج بھی سہرام کے علاقے سے محبت کرتے ہیں زاہدہ حنا کے نزدیک تقسیم کا عمل اقدار کی شکست وریخت، قتل وغارت، فسادات اور انتشار ساتھ لایا جس نے قدیم ہند اسلامی تہذیب کا خاتمہ کر دیا ہے ان کے افسانوں میں مذکورہ صوت حال کا شدت سے بیان کیا گیا ہے۔ زاہدہ حنا ایک مابعد نو آبادیاتی ملک کی ادیب ہیں ان کے افسانوں میں ہجرت کا کرب، شناخت کے مسائل، تعصب، یاد ماضی مقام اور بے مقامیت کے موضوعات نظر آتے ہیں۔

بیسویں صدی میں دو عالمی جنگوں تقسیم ہند اور پھر سقوط ڈھاکہ نے مشرق و مغرب کو یکساں متاثر کیا۔ ابتدائے آفرینش سے ہی انسان مختلف سیاسی سماجی اقتصادی اور مذہبی وجوہات کی بنا پر نقل مقانی اختیار کرتا رہا ہے۔ ڈائیاسپورا دنیا کے ایک حصہ میں نہیں بلکہ امریکہ، افریقہ، مشرق وسطی، یورپ غرض ہر خطے کے لوگوں کا مسئلہ ہے۔

نقل مکانی اکثر شناخت کے مسئلے کا باعث بنتی ہے زاہدہ حنا کے افسانے ڈائیاسپورا کی عکاسی کرتے ہیں جو شناخت کے مسئلے سے دوچار ہیں اپنی جڑوں کو مکمل طور پر بھولنا دشوار ہے۔ ہمارا آبائی وطن منطقی طور پر ہماری شناخت کی بنیاد بنتا ہے۔ ہجرت کی بنیاد جہاں بہتر زندگی تلاش رہی ہے وہیں ہجرت ایک نئی شناخت فراہم کرنے کا ذریعہ بھی بنتی ہے۔ لیکن ڈائیاسپورا اپنے ماضی کو ساتھ لے کر چلتے ہیں اور ہجرت کی گئی سرزمین میں لوگ انھیں یہ فرق یاد دلاتے رہتے ہیں۔

شناخت کیا ہے؟ شناخت کا مفہوم کیا ہے؟ یہ مسلہ کیوں پیدا ہوا؟ اور ہمارے لیے کیوں اہمیت رکھتا ہے؟ ہم اس مسلے سے کیوں کر عہدہ برا ہو سکتے ہیں؟ ان سوالات کا کوئی فیصلہ کن جواب تو نہیں مگر ان سوالات سے ذہنی بیداری اور مثبت فکر کی راہیں ضرور کھلتی ہیں۔

شناخت کا تعلق جغرافیہ سے بھی ہے اور تاریخ سے بھی۔ مکان سے بھی اور زمان سے بھی۔ یہ ایک یاداشت ہے، اپنائیت کا احساس ہے۔ شناخت کسی فرد یا گر وہ کی خصوصیت کا مجموعہ ہے اس سے وہ باقی لوگوں سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ انسان کی بنیادی ضرورت میں پناہ، تحفظ، افزائش نسل، ابلاغ کے علاوہ مخصوص گروپ کا حصہ ہونا اور افراد کے درمیان رشتے بھی شامل ہے۔ خصوصا زبان، اجتماعی حافظہ، ایک ہی خطے میں زندگی کا تسلسل اور جدید دور میں نسل، رنگ، نسل، مذہب، ایک مشترک مشن کا احساس اور اسی طرح دوسری چیزیں شامل ہیں۔ گویا کسی گروپ کی اجتماعی شناخت اور پہچان ہوتی ہے جو طبعی بھی ہے اور مابعد طبعی بھی، سماجی بھی اور تہذیبی بھی، لسانی بھی اور ادبی بھی، ظاہری بھی اور باطنی بھی۔ نو آبادیاتی نظام نے مفتوح علاقوں کو اپنے رنگ میں رنگنا چاہا نتیجے میں ان علاقوں میں آزادی کی تحریکیں نمودار ہوئیں جن کا سب سے بڑا طاقتور ہتھیار یہی تشخص کا احساس تھا۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

بقول آل احمد سرور:

"سائنس اور ٹیکنالوجی نے اپنا سٹیم رولر چلایا جدید جمہوری اداروں نے اپنا گر آزمایا سرمایاداری نے اپنے طریقے برتے عوامی نشریات نے اپنا فسوں پھونکا مگر تشخص کا مسئلہ اس لیے بھی جہاں کا تہاں رہا"۔۵

آل احمد سرور کے مطابق:

"ایک فرد کے تشخص کا معیار اس کا حافظہ ہے اور جماعتوں کے تشخص کا معیار اپنی تاریخ کا احساس ہے گویا تشخص دوسرے کو تسلیم کرنے سے نہیں اپنے جاننے اور ماننے سے عبارت ہے۔"٦

ثقافتی شناخت معاشرتی گروہوں میں ایک مربوط عنصر کی حیثیت سے کام کرتی ہے کیوں کہ اس سے فرد کو اس گروہ سے تعلق رکھنے کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ جس کی شناخت وہ مشترکہ ثقافتی خصلتوں پر مبنی کرتے ہیں تاہم ثقافتی شناخت ایک مستحکم نہیں ایک متحرک تصور ہے۔ کیوں کہ یہ مسلسل خود کو بیرونی اثرورسوخ اور سوالات میں لوگوں کے نئے تاریخی حقائق سے بدلا رہا ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ثقافتی شناخت عام طور پر کسی خاص جغرافیائی علاقے یا قوم سے وابستہ ہونے کے باوجود اپنے ملک سے باہر کے گروہوں یا برادریوں جیسے مہاجرین، تارکین وطن، بے گھر افراد یا جلاوطنیوں میں برقرار رہ سکتی ہے اس طرح ایک فرد (ایک ڈائیاسپورا) ایک سے زیادہ ثقافتی گروپ کے ساتھ شناخت کر سکتا ہے یا ایک سے زیادہ مشترکہ گروہ میں متعدد ثقافتی شناختوں کے ساتھ شناخت کر سکتا ہے۔

سبط حسن پاکستان میں تہذیب کا ارتقا میں لکھتے ہیں:

"ہر قوم کی ایک تہذیبی شخصیت ہوتی ہے اس شخصیت کے بعض پہلو دوسری تہذیبوں سے ملتے ہیں لیکن بعض ایسی انفرادی خصوصیتیں ہوتی ہیں جو ایک قوم کی تہذیب کو دوسری تہذیبوں سے الگ اور ممتاز کرتی قومی تہذیب اپنی انفرادی خصوصیتوں سے پہچانی جاتی ہے۔"۷

ڈائیاسپورا دوسرے خطے میں بھی اپنی تہذیبی شناخت برقرار رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ ڈائیاسپورا مذہب، ثقافت اور زبان کی بنیاد پر میزبان ملک میں شناخت قائم رکھتا ہے۔ تہذیبی شناخت جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا عام طور پر کسی علاقے یا خطے سے وابستہ ہوتی ہے اس کا سب سے طاقتور مظہر زبان ہوتی ہے جس کا زبانی یا تحریری سرمایا بھی ضروری ہے۔ مادری زبان شناخت کا سب سے اہم ذریعہ ہوتی ہیں مگر یہ دیکھا گیا ہے کہ مادری زبانوں کے علاوہ اکتسابی زبان بھی شناخت کا ذریعہ ہوتی ہیں۔

رومیلا تھاپر کے مطابق:

"مذہبی شناخت ہمیشہ سے ایک بنیادی تہذیبی شناخت کی حیثیت رکھتی ہے"۔۸

مذہبی شناخت کے تقاضوں کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے بھی موجودہ دور میں قومی اور علاقائی شناخت کی اہمیت کو نظر انداز کرنا ممکن نہیں ہے۔ شناخت کا بحران عصر حاضر کا ایک ایسا المیہ ہے جس کے نقوش ہم اپنے ادب، فن اور تہذیب کے ہر شعبے میں تلاش کرتے ہیں۔ شناخت جہاں ڈائیاسپورا کا انفرادی مسلہ ہے وہیں یہ اجتماع سے بھی وابستہ ہے۔ اجتماعی شناخت اجتماعی تاریخ، تہذیبی حافظہ اور کسی اجتماع کی زمانی مکانی نظام سے تشکیل پاتی ہے جس کے ادراک میں ناقابل حل مشکل پیش نہیں آتی۔

عالم خوندمیری کے بقول:

"اگر اجتماعی تہذیبی حافظہ طاقتور ہو اور اس کو شکست دینے والی طاقتیں کمزور ہوں تو تشخص خود کثیر تشخصات یا PLURAL IDENTITIY کو اپنے اندر محفوظ کر سکتا ہے۔"۹

اپنے طبقے اپنے گروہ سے وابستگی اور اس کے اخلاقی نظم کی پابندی کے وسیلے سے اپنی شناخت کر سکتے ہیں۔۔ مذہب، ذات پات، قومیت، زبان، تہذیبی ورثہ، پیشہ یہاں تک کہ شہر اور محلہ اور سب سے بڑھ کر خاندان فرد کی شناخت کے مختلف زاویے ہیں۔ نوآبادیاتی عہد میں مقامی باشندوں کی شناخت کو مسخ کیا گیا ۔ پس نوآبادیات بھی نوآبادیات کا ایک تسلسل ہے جس میں ہمیں شناخت کی تین صورتی نظر آتی ہیں۔

ا۔ معلق شناخت ۲۔ متبادل شناخت ۳۔ کثیر جہتی شناخت

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

وہ ڈائیاسپورا یا تارکین وطن جو یورپ یا دیگر ممالک میں رہتے ہیں ان کے بچے نہ امریکی نہ انگریز نہ ہی پاکستانی رہ جاتے ہیں ان کی شناخت ڈانواڈول رہتی ہے وہ کسی علاقے کی شہریت تو حاصل کر لیتے ہیں مگر وہ شناخت قائم نہیں کر سکتے۔ وہ جس معاشرے میں رہ رہے ہیں اس کلچر کا حصہ نہیں بن سکتے ان کی جڑیں نہ یہاں ہیں نہ وہاں یوں وہ معلق شناخت کا شکار ہیں۔ نو آبادکار نے مقامی لوگوں کے شعور میں داخل ہو کر ایک فیصلہ کن قوت کا درجہ اختیار کیا اور مقامی لوگوں کو احساس کمتری میں مبتلا کیا۔

فرانسز فوکویاما کے مطابق:

"شناخت کا مسئلہ خاص طور پر مغربی یورپ میں تارکین وطن برادریوں میں پروان چڑھنے والی دوسری نسل میں شدید تھا۔ وہ عیسائی جڑوں کے ساتھ زیادہ تر سیکولر معاشرے میں رہ رہے تھے۔۔۔۔ ترکین وطن کے بہت سے بچوں کی طرح وہ اپنے خاندان کے پرانے طرز زندگی سے خود کو دور کرنے کے لیے بے چین تھے لیکن وہ اپنے نئے یورپی ماحول میں آسانی سے ضم نہیں ہو پاتے۔"۱۰

اپنی شناخت کو ترک کر کے دسرے کی شناخت کو اپنانے کی کوشش کرنا متبادل شناخت کہلاتا ہے۔ ہم سب کثیر جہتی شناخت رکھتے ہیں۔ ہماری شناختیں ہمارے رویوں پر اثر انداز ہوتی ہیں شناخت ایک نظریاتی مسلہ ہے جس کی جڑیں تہذیب اور زمین سے جڑی ہیں ہم پاکستان سے باہر جا کر بھی پاکستانی رہتے ہیں ہماری بنیادی شناخت یہی رہے گی اور دوسری شناختیں جڑتی جائیں گی۔ علاقائی شناخت میں پنجابی، سندھی، بلوچی ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ پاکستان اور مسلمان بھی ہیں اس طرح بیرون ممالک یہ شناخت ہمارے ساتھ چلتی ہے۔ دنیا کی آبادی کی تہذیبی اور مذہبی تقسیم انسانی تشخص کا "یک کلیتی "نقطہ نگاہ ہے ۔جو انسان کو ٹھیک ٹھیک ایک گروہ کے افراد کے طور پر دیکھتا ہے۔

امریتا سین کے بقول:

"اپنے اوپر مبینہ طور پر یکتا شناخت کا اطلاق کرنا اکثر اوقات فرقہ ورانہ محاذ آرائی کو بھڑکانے کا ایک اہم سبب ہوتا ہے۔"۱۱

ڈائیاسپورا کو ان کی واحد شناخت ان کے ماضی سے وابستہ کر کے دیکھا گیا جس سرزمین سے ان کی جڑیں پیوست ہیں یوں انھیں فرقہ ورانہ تشدد کا سامنا رہا۔ اس قسم کی جھگڑ بندیاں نہ صرف ایک تشویش اور بے چینی کا اظہار کرتی ہیں بلکہ اس بات پر بھی روشنی ڈالتی ہیں کہ لوگ مشترکہ تاریخ اور اس تاریخ پر مبنی باہمی وابستگی کے احساس کو کس قدر مثبت اور تعمیری اہمیت دیتے ہیں۔

بیسویں صدی کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ یہ ہجرت کی صدی ہے۔ پہلی علمی جنگ دوسری عالمی جنگ، تقسیم ہندوستان اور بنگلہ دیش کی علاحدگی یہ ایسے واقعات ہیں جنھوں نے مکینوں کو بار بار ہجرت کرنے پر مجبور کیا۔ تقسیم ہند میں جہاں لاکھوں لوگ ہجرت کے کرب کا شکار ہوئے ان میں زاہدہ حنا اور ان کا خاندان بھی ہے ان کو اپنے آبائی علاقے سے ہجرت کیے دہائیاں بیت گیں مگر ان کا دل اور روح آج بھی سہرام کے علاقے سے محبت کرتے ہیں۔ زاہدہ حنا کے نزدیک تقسیم کا عمل اقدار کی شکست وریخت، قتل وغارت، فسادات اور انتشار ساتھ لایا جس نے قدیم ہند اسلامی تہذیب کا خاتمہ کر دیا۔ ان کے افسانوں میں مذکورہ صورت حال کو شدت سے بیان کیا گیا ہے۔

زاہدہ حنا ایک مابعد نو آبادیاتی ملک کی ادیب ہیں ان کے افسانوں میں ہجرت کا کرب، شناخت کے مسائل، تعصب، یاد ماضی، مقام اور بے مقامیت کے موضوعات نظر آتے ہیں۔ ہندو مسلم صدیوں تک ایک دوسرے کے ساتھ رہے ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک رہے آج جب کی ان کی تقسیم کے تقریباً پچھتر برس گزر گئے لیکن نفرت کی آگ دونوں میں بھڑک رہی ہے دونوں اطراف کے لوگ ایک دسرے کو دیکھنے کے بھی روادار نہیں، پاکستان میں ہندو برادری کا کوئی پرسان حال نہیں اور ہندوستان میں مسلمانوں کو ناروا سلوک کا سامنا ہے۔ قومی، سیاسی، مذہبی، لسانی فسادات یا صنفی امتیاز کی بنیاد شناخت کا "یک کلیتی" نظریہ ہے

"۱۹۹۴ میں ہوتو قاتل جتھے میں بھرتی ہونے والے شخص سے یہ کہا جارہا تھا اگرچہ اجمالاً ہی سہی کہ وہ اپنے آپ کو روانڈائی یا ایک افریقی یا ایک مسلمان کے طور پر (وہ تشخص جس میں ہدف بننے والے ٹوٹسی شریک تھے) نہ دیکھے بلکہ صرف ایک ہوتو کے طور پر دیکھے جو ٹوٹسیوں کو انجام دینے کے لیے فریضے پر معمور تھا۔"۱۲

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

کثیر جہتی شناخت کی بنیاد پر نہ صرف مماثل گروہوں میں تعلقات استوار کرنے میں آسانی ہوتی ہے بلکہ مختلف گروہوں کے ساتھ امن اور دوستی کی فضا پروان چڑھتی ہے۔ زاہدہ حنا نے اپنے افسانوں میں شناخت کے مسائل کو اجاگر کیا ہے۔ ان کے افسانوں کے بیشتر کردار کثیر جہتی شناخت کے حامل ہیں۔ جنھیں کثیر جہتی شناخت کے مختلف پہلوؤں کو نظر انداز کرتے ہوئے اس شناخت کی بنیاد پر تحقیر اور ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جاتا ہے جو معاشرے کے دیگر لوگوں سے مختلف ہے۔

زاہدہ حنا اپنے افسانوں میں مذہبی علاقائی، جغرافیائی، صنفی شناختوں کا مقدمہ لڑتی نظر آتی ہیں "رقص بسمل ہے" ان کا افسانوی مجموعہ اسی تناظر میں دیکھا جا سکتا ہے۔ زاہدہ حنا اقلیتوں، مہاجروں اور عورتوں کے حقوق کے لیے آواز اٹھاتی ہیں اور ان کی شناخت کی مختلف جہتوں کو سامنے لاتی ہیں۔ زاہدہ حنا نے افسانہ "منزل ہے کہاں تیری" میں پاکستانی مسلمانوں کی ہندوؤں کے لیے نفرت کو موثر پیرائے میں بیان کیا ہے۔ یہ افسانہ پاکستان اور ہندوستان کے معاصر ، سیاسی اور سماجی حالات کی عکاسی کرتا ہے۔ اس افسانے میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ ہندوستان میں اکیسویں صدی کے آغاز میں پیدا ہونے والے بابری مسجد کی شہادت کے کیا اثرات دونوں ملکوں کی اقلیتوں پر رونما ہوئے۔ ہندو مسلم فسادات کے حوالے سے جب بھی کوئی واقعہ رونما ہوتا ہے تو اس کے اثرات دونوں ملکوں کی زمینوں پر واضح طور پر دیکھے جا سکتے ہیں پاکستان میں ہندو اقلیت میں ہیں اور ہندوستان میں مسلمان ہندو کی اکثریت کے مقابلے میں دوسرے نمبر کی اقلیت ہیں اس لیے کوئی بھی واقعہ جو مسلمانوں کے خلاف ہوتا ہے اس کا براہ راست اثر پاکستان کی اقلیتوں پر بھی ہوتا ہے بالخصوص ہندو مذہب سے تعلق رکھنے والوں کی زندگیاں متاثر ہوتی ہیں۔

عالیہ، اوشا اور اس کے پتا افسانے کے نمایاں کرداروں میں شامل ہیں۔ اوشا اور اس کے پتا کراچی کے مقامی ہندو ہیں مگر اپنے ملک میں ہی بے گھر ہو جاتے ہیں۔ تقسیم کے بعد ان کا آبائی گھر بھی چھن گیا۔ یوں وہ اپنے وطن میں ہی بے وطن تھے۔ اوشا کے پتا کو جو ہجرت سے پہلے کانپور میں تھا مہاجرین کے قافلے کے ساتھ کراچی آنے کے لیے اسے اپنا اصل نام چھپانا پڑا اور اپنا نام عبد الرحمن بتاتے ہوئے کراچی کینٹ میں اور پھر کھارادر گیا مگر بیشتر گھروں پر مہاجرین کا قبضہ تھا۔ جب اسے کہا گیا کہ ہندوستان میں ہی رہ جاتے تو اس نے جواب دیا:

"واہ کیوں رہ جاتا وہاں؟ یہ میری جنم بومی ہے ماتا پتا کا انتم سنسکار ہوا تھا یہاں"۱۳

اوشا اور اس کا پتا عالیہ کے گھر میں رہائش پذیر تھے مدن ایک ہندو لڑکا تھا جو عالیہ سے والہانہ محبت کرتا تھا۔ عالیہ کے خاندان کے مطابق ان کے ملنے کی واحد صورت یہی ہے کہ مدن مشرف بہ اسلام ہو جائے۔ لیکن اوشا اور اس کے پتا پر گزرنے والی قیامت کی کسی کو کان و کان خبر نہ ہوئی کراچی میں دن دیہاڑے معصوم اور بے ریا گھڑی ساز اوشا کے پتا کو کم نظر لڑکوں نے ہاکیوں اور چھریوں کے وار سے قتل کر دیا اور اوشا عالیہ کے بھائی سلیم کے ہاتھوں عزت گنوا کر گھر کے آنگن میں موجود کنویں میں شرم سے منہ چھپانے پر مجبور ہو گئی لیکن ان لوگوں کی دردناک اموات اتنا بڑا واقعہ نہ تھا کہ ملک کی اکثریت اپنی زندگی کو متاثر کرتی لیکن زاہدہ حنا کا دل ان معصوموں کے لیے خون کے آنسو روتا ہے اور اسے الفاظ کے پیرائے میں کچھ اس طرح بیان کرتی ہیں۔

"عالیہ کا دل شق ہونے لگا مدن کے لیے اوشا کے لیے ایسے ہی ان کروڑوں انسانوں کے لیے جن کے خون آلود جغرافیے پر نفرتوں کے قطبین تھے"۔،۱۴

زاہدہ حنا مذہبی اکثریت و اقلیت یا مقامی و مہاجر کی گنتی میں نہیں پڑتی ان کے نزدیک ہر وہ شخص پاکستان کا شہری ہے جو پاکستان کا رہائشی ہے۔ مذہبی شناخت کے مقابلے میں بڑی شناخت اپنے خطے یا وطن کی شناخت ہے جس زمین سے تعلق ہو وہی شناخت مانی جاتی ہے۔ مذہبی طور پر ہر فرد کسی مذہب یا فرقے سے تعلق رکھتا ہے پاکستان کا شہری ہونا بھی ایک شناخت ہے مذہب خدا اور بندے کا معاملہ ہے اسے خدا اور بندے پر ہی چھوڑ دینا چاہیے۔ پاکستان کو ہم اس وقت تک مضبوط اور مستحکم نہیں کر سکتے جب تک اس میں رہنے والے تمام مذاہب کو ماننے والے اور فرقوں سے تعلق رکھنے والے اس میں اپنا حصہ نہ ڈالیں

۔

مدن، اوشا اور اوشا کا پتا صرف ہندو نہیں تھے۔ وہ صرف ایک مذہبی شناخت نہیں رکھتے بلکہ ان کی ایک تہذیبی اور لسانی شناخت بھی ہے۔ جغرافیائی لحاظ سے اسی سرزمین میں جڑیں ہیں مگر ان کی ایک شناخت کو سامنے رکھتے ہوئے باقی شناختوں کو نظر انداز کیا گیا۔ تہذیبی شناخت جو مسلسل اور بڑی شناخت ہے اس کے مقابلے مذہبی شناخت کی بنیادوں پر اقلیتوں پر ظلم و ستم کیے جا رہے ہیں اور اقلیتوں کی کثیر جہتی شناختوں کو نظر انداز کرنے کی بجائے مماثل شناختوں کے مد نظر رکھا جائے تو امن اور بھائی چارہ کی فضا قائم ہو سکتی ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

خان شاہد وہاب کے مطابق:

"جب تک مہاجرین کی نفسیاتی، تہذیبی اور سماجی ضرورتوں سے متعلق معاشرہ واقف نہیں ہو گا تب تک ان کے تئیں تعصب اور نفرت کو کم نہیں کیا جا سکتا"۱۵

جب شناخت کے ایک پہلو کو سامنے رکھا جائے اور دیگر جہتوں کو نظر انداز کیا جائے تو عدم برداشت اور تشدد کا رویہ جنم لیتا ہے اسی رویے کی بھینٹ اوشا اور اس کے پتا چڑھے۔

"رانا سلیم سنگھ" افسانے کا نام کہانی کے ایک کردار پر ہے۔ یہ ہندوستانی اور پاکستانی ڈائسپورا کی کہانی ہے رانا سلیم سنگھ ایک دلچسپ کردار ہے جو مشترکہ تہذیب کے بطن سے ابھرتا ہے۔ یہ ایک کرداری کہانی ہے جس کے ذریعے مختلف رنگ ثقافت اور معاشرت کی تصویر ابھرتی ہے۔ ماضی و حال کی ،فنکار کے جمال و جلال کی، رانا سلیم اور احمد مسعود دو دوست ہیں جو لندن میں مقیم ہیں رانا سلیم ایک راجپوت، مصور، مذہب کے لحاظ سے ایک سکھ، جے پور کا رہنے والا ایک ہندوستانی جو لندن میں مقیم ہے ہندو مسلم تہذیب کا پروردہ ہے۔ سلیم سنگھ کی پیدائش سلیم چشتی کی درگاہ پر منت کا نتیجہ سمجھی گئی اسی لیے اس کا نام سلیم سنگھ رکھا گیا۔

احمد مسعود تقسیم کے بعد آلہ آباد چھوڑ کر پاکستان منتقل ہوا ایک مسلمان پاکستانی جو لندن میں مقیم ہے۔ ڈایسپورا اپنی تہذیبی، جغرافیائی اور لسانی شناخت کو قائم رکھتے ہوئے ایک دوسرے کی طرف کشش محسوس کرتے دونوں کرداروں کی تاریخی اور تہذیبی شناخت ایک ہی ہے اس کے علاوہ دیگر شناختیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں یہی مماثل شناخت ان میں دوستی اور محبت کا وسیلہ ہے۔ شناخت کا ایک ذریعہ زبان بھی ہے۔ سلیم سنگھ کے با محاورہ اردو بولنے پر احمد مسعود تعجب کا اظہار کرتا ہے تو سلیم بتاتا ہے کہ اس نے صرف ہندی ہی نہیں اردو اور فارسی بھی پڑھی ہے اس کے رد عمل میں:

"وہ مسکراتا رہا اور سوچتا رہا کہ میں نے ہندی کیوں بھلا دی ہے"۱۶

ایڈورڈ سعید لکھتے ہیں:

"کسی نے بھی آج تک تک وہ طریقہ دریافت نہیں گیا جس سے کسی عام و فاصل انسان کی زندگی کے حقائق اور عام حالات سے مکمل طور پر بلا اثر علیحدہ کیا جا سکے اور جس سے اس کے شعوری اور غیر شعوری طور پر کسی طبقہ گروہ، جماعت یا اس کے عقائد، سماجی، حیثیت یا ایک معاشرہ کا فرد ہونے کو اس کی ذات سے علیحدہ کیا جا سکے یہ تمام حالات اور عناصر اس کے نام پر اثر انداز ہوتے ہیں"۔۱۷

رانا سلیم اپنے پاکستانی دوست اور سرکاری افسر احمد مسعود سے ان حادثات کا ذکر کرتا ہے جن سے وہ گزر چکا ہے۔ بقول احمد مسعود بٹوارے کے بعد سب کچھ یعنی آثار قدیمہ، تعمیرات، باغات یہاں تک کہ شہید بھی ترکے میں ہندوستان کو مل گئے اور پاکستان کی جھولی میں کچھ نہ آیا جس کے جواب میں رانا سلیم کہتا ہے:

"تم تاریخ کا کیک بھی کھانا چاہے ہو، اسے رکھنا بھی چاہتے ہو، اتہاس تو دھرتی سے جڑا ہوتا ہے۔ ہم جب دھرتی سے ناتا توڑ لیں تو اتہاس سے ناتا خود ہی ٹوٹ جاتا ہے۔"۱۸

زمین اور تاریخ سے رشتہ ہی انسان کی اصل شناخت کی بنیاد ہے۔ زاہدہ حنا کا ایک اور افسانہ "تنہائی کا چاہ بابل" کچھ اسی قسم کی صورت حال کی عکاسی کرتا ہے جو نائن الیون کے عہد کے بعد عرب اور ایشیائی نژاد لوگوں کو پیش آئی تھی۔ نائن الیون کے بعد عرب اور ایشیائی لوگوں کے شک کی بنیاد پر گھر لیا جاتا ہے انھیں دہشت گرد کہہ کر مار دیا جاتا ہے۔ سمیر اس افسانے کا محرک کردار ہے۔ سمیر کا اصل وطن مراکش تھا سمیر کا باپ برسوں پہلے انتقال کر گیا۔ ماں بیوہ اور تینوں بہن بھائی یتیم ہو گئے۔ سکالر شپ پر انگلینڈ میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے جاتا ہے وہ فلسفہ کا استاد بننا چاہتا تھا لنڈن سکول آف اورینٹل اینڈ افریکن اسٹڈیز میں زیر تعلیم تھا۔ سمیر ٹرین سفر کر رہا تھا کہ پولیس والے ایک بوڑھے عرب کو گرفتار کر کے لے جا رہے تھے۔

"وہ عرب شخص تھا اور بوڑھا تھا اور تب سمیر کو اس کے ہاتھ میں پڑی ہوئی ہتھکڑیاں دکھائی دیں اس نے اپنی آنکھوں میں آنے والے آنسوؤں کو پینے کی کوشش کی نائن الیون کے بعد دنیا سر کے بل کھڑی ہو گئی تھی عرب اور ایشیائی شک کی دلدل میں دھکیل دیئے گئے تھے۔"۱۹

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

نائن الیون کے بعد عربوں اور ایشیائی لوگوں کو جو ہجرت کر کے یورپ میں مقیم ہوئے کو یک کلیتی شناخت کی بنیاد پر ظلم و بربریت کا نشانہ بنایا گیا ان کی شناخت کے کثیر جہتی پہلوؤں میں سے صرف ان کے عرب یا ایشیائی ہونے پر دہشت گرد اور القاعدہ سے منسوب کیا جاتا ہے۔

افسانے کے کردار سمیر کو مراکشی ہونے اور عربی زبان جاننے کی وجہ سے شک کی نگاہ سے دیکھا گیا اور اسے سیل میں بند کر دیا گیا۔ نائن الیون کے واقعہ سے صرف دنیا ہی نہیں بدلی بلکہ دنیا کا ادب بھی بدل گیا ہے لکھنے والوں نے نئے انسانی دکھوں اور غموں کے نئے رخوں کا ایسا نیا ادراک ہوا کہ جس کی وجہ سے ادب نئے انسانی احساسات جذبات کے اظہار کا وسیلہ بن گیا عراق، ایران، افغانستان اور پاکستان وہ ممالک ہیں جو نائن الیون سے براہ راست متاثر ہوئے ہیں "قیام پاکستان کے بعد فسادات کا المیہ اور ہجرت کے کرب نے تمام برصغیر میں معاشرتی ناہمواری پیدا کر دی۔ بالخصوص پاکستان میں خارجی مسائل کا حل کرنے کی طرف تو پوری توجہ دی گئی۔ جب کہ باطنی مسائل کو نظر انداز کر دیا گیا۔ اس وجہ سے مہاجرین کو داخلی اور خارجی دونوں طرح کے مسائل سے دوچار ہونا پڑا۔ انھیں اپنے خوابوں کی تکمیل ہوتی دکھائی نہ دی۔ ان پر مایوسی کا عالم طاری ہو گیا"۔ ۲۰

ڈاکٹر شہزاد منظر کے بقول:

"پاکستان کے ناولوں اور افسانوں میں ہجرت کے کرب کا اظہار ان ادیبوں نے کیا جو ہجرت کر کے نئے پاکستان آئے تھے۔۔۔۔۔ یہ کرب اس وقت مزید بڑھ جاتا ہے جب انھیں اور ان کی طرح کے دوسرے لوگوں کو ان کی امیدوں اور خوابوں کی سرزمین میں اپنی اہمیت کا احساس ہوتا ہے"۔ ۲۱

"معدوم ابن معدوم" میں زاہدہ حنا ایک بار پھر شناخت کے مسئلے کو اجاگر کرتی نظر آتی ہیں۔ ایک محب وطن کرنل معصوم حسین جس نے ہندوستان کی آزادی کے لیے اپنی جان داؤ پر لگا دی تھی ان کا اکلوتا بیٹا جعفر حسین کراچی منتقل ہو جاتا ہے جعفر حسین کا بیٹا علی اکبر برطانیہ تعلیم کے حصول کے لیے جاتا ہے اور انتظار میں کہ اسے برٹش نیشنلٹی مل جائے اس افسانے میں ہجرت کے بعد شناخت کے المیے کو بیان کیا گیا ہے۔ علی اکبر سے جب دادی کہتی ہے کہ پاکستان اب تمھارا گھر ہے تو اس کے جواب میں وہ کہتا ہے:

"وہاں میرا مکان ہے دادی بیگم۔ وہاں ہماری ہوا اکھڑ چکی۔ یہاں سے جانے والوں کی بڑی بڑی جائیدادیں اپنی بنیادیں چھوڑ چکی۔ تب ہی تو سب کے بچے باہر پڑھ رہے ہیں۔۔ تب ہی تو سب گرین کارڈ کے خواب دیکھتے ہیں۔ یہاں سے جانے والے اپنا مقدمہ ہار گئے ہیں دادی بیگم "۲۲

ہجرت کر کے آنے والوں کی نئی نسل بھی شناخت کے المیہ کا شکار ہے۔ شناخت کی اصل بنیاد زمین اور خطہ سے وابستگی کا احساس ہے۔

"اس لیے دادا میاں کہ آپ چھ سو برس سے اس زمین پر ہیں تو آپ اس برگد کی طرح ہوئے جو زمین سے جتنا اوپر نظر آتا ہے۔۔۔ اس سے کہیں زیادہ گہرائی میں اور کہیں زیادہ دور تک پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ آپ کو اور دادی بیگم کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ آپ یہاں گڑے ہوئے ہیں۔ اور ہم؟ ہم سبز شیشے میں سانس لیتے ہوئے منی پلانٹ کی طرح ہیں۔ جس کا زمین سے کوئی ناتا، کوئی رشتہ نہیں۔"۲۳

جو لوگ ہجرت کے عمل سے گزرے وہ شناخت کے حوالے سے کسی زمین کا حصہ نہیں۔ ایک نسل ہجرت کے جن تجربات سے گزری وہ تجربات آنے والی نسل کے شعور کا حصہ اور طرح سے بنے۔ زاہدہ حنا نے کراچی کے دگرگوں حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے مہاجر اور مقامی لوگوں میں فسادات اور کشیدگی کو موضوع بنایا ہے

علی اکبر کو کراچی میں ہندوستانی سراغ رساں ایجنسی "را" کا مخبر ہونے کے شک میں پکڑ لیا جاتا ہے وہ لاپتا ہو جاتا ہے اور بعد ازاں مار دیا جاتا ہے۔ کرنل معصوم حسین کے مہاجر پوتے کو پاکستان کے خلاف مخبری اور جاسوسی کرنے کا الزام عائد کرتے ہوئے مار دیا جاتا ہے۔ یہاں قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس کے خلاف کوئی ثبوت بھی مہیا نہیں ہیں اسے محض شک کی بنا پر قتل کیا جاتا ہے کرنل معصوم کے پوتے اور بیٹے جعفر جیسے کھرے اور سچے محب وطن پر شک کی بنا پر ظلم کے پہاڑ توڑے جاتے ہیں۔ گزشتہ ادوار میں پاکستان کے لیے ان کی دی جانے والی تمام قربانیاں بلائے طاق رکھ دی جاتی ہیں۔

جعفر اور علی اکبر کے محب وطن پاکستانی، ایک مسلمان اور ایک تہذیبی پیش نظر رکھنے کی شناخت کو نظر انداز کر دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ مہاجرین کی تیسری نسل بھی دربدری کا شکار ہے۔ ان کی شناخت ہندوستان، پاکستان اور یورپ میں کہیں بھی قائم نہ ہو سکی۔ شناخت معلق ہو کر رہ گئی۔

جعفر حسین نے لکھا تھا:

"ابا میاں یہاں رہنے کا فیصلہ میں نے اپنے لیے نہیں اپنی نسلوں کے محفوظ مستقبل کے لیے کیا ہے۔"۲۴

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

مگر ان کی پاکستانی شناخت کو تسلیم نہیں کیا گیا مہاجرین کو آج بھی مہاجر کہہ کر بلایا جاتا ہے تیسری نسل بھی شناخت کے لیے دربدر رہی۔ جس محفوظ مستقبل کے خواہاں تھے وہ محفوظ مستقبل انھیں نہ مل سکا۔ معصوم حسین کی آن بان اور مکان کو دیمک چاٹ گئی تھی۔ دیمک صرف مکانوں کو ہی نہیں نسلوں کو چاٹ رہی تھی اس کا احساس جعفر حسین کو بعد میں ہوا۔ جب اس کی اولاد کا معاملہ سامنے آیا۔ عدم برداشت اور عدم رواداری کی دیمک، دوسرے کو قبول نہ کرنا۔ آج خود غرضی کی دیمک نے ہماری جڑیں کھوکھلی کر دی ہیں تعصب اور تنگ نظری کی دیمک نسلوں کو چاٹ رہی ہے۔

معدوم ابن معدوم تین نسلوں کی کہانی ہے۔ ماضی میں تہذیبی جڑیں ہندوستان سے جڑی ہیں مہاجرین کو ان کی نئی جغرافیائی، لسانی، مذہبی شناختوں کو قبول نہیں کیا گیا اور پرانی شناخت کی بنیاد پر ظلم و ستم اور بربریت کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔

"ہندوستان اور پاکستان کے درمیان ہجرت نے ایک ایسی کمیونٹی پیدا کر دی ہے جو ابھی تک آباد ہونے اور اپنے نئے ماحول سے مطابقت پیدا کرنے کی جدو جہد کر رہی ہے۔ اس نے معاشرتی آپوزیشن کا ماحول پیدا کر دیا ہے"۲۵

"ہوا پھر سے حکم صادر" بنگلہ دیش کی جنگ آزادی کے پس منظر میں لکھا گیا افسانہ ہے۔ یہ فکر انگیز افسانہ ایک ہندوستانی لڑکی کی کہانی ہے جو آکسفورڈ میں ایک پاکستانی کو دل دے بیٹھتی ہے اور شادی کر کے پاکستان آجاتی ہے پاکستانی شہریت قبول کرتی ہے جس کے لیے اسے ہندوستانی شہریت ترک کرنی پڑتی ہے۔ نادرہ پاکستانی شہریت تو قبول کر لیتی ہے مگر اسے وہاں نہ صرف ہندوستانی و بہاری ہونے کے سبب ہدف ملامت بنایا جاتا ہے بلکہ گھریلو تشدد کا بھی شکار ہوتی ہے یہاں تک کے جس گھر کو بسانے کے خواب لے کر وہ آتی ہے اس کا وہ گھر بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ ۱۹۷۱ میں جنگ کے دوران اس کا شوہر اسے شک کی نگاہ سے دیکھتا ہے کہ وہ ہندوستان سے وفاداری نبھانے کے لیے بتیاں جلا رہی ہے۔

نادرہ کو ہندوستانی ہونے کی وجہ سے متعصبانہ رویوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ والد کی بیماری پر اسے ہندوستان جانے کے لیے پاکستان سے براہ راست ویزہ نہیں ملتا یوں وہ اپنے والد کا آخری دیدار نہیں کر پاتی اور بھری دنیا میں پاکستانی پاسپورٹ ہاتھ میں لیے تنہا رہ جاتی ہے

نادرہ ایک مسلمان، بہادری، ہندوستانی، آکسفورڈ کی تعلیم یافتہ، پاکستانی شہریت کی حامل لڑکی ہے مگر اسے واحد شناخت ہندوستانی ہونے کی وجہ سے ناروا سلوک کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جب تک افراد کو نئی شناخت کے ساتھ قبوال نہیں کیا جائے گا میں تشدد اور بربریت جاری رہی گی شناخت کو نئی جہتوں کے ساتھ قبول کرنے کا تصور ہی رواداری کو پروان چڑھا سکتا ہے ڈایسپورا اپنی نئی شناخت قائم نہیں کر سکتے پرانی شناخت ان کے ساتھ جڑی رہتی ہے۔

زاہدہ حنا تقسیم ہو جانے والے خانوادے سے گزری ہیں۔ پھر وہ ایک باشعور صحافی، قلم کار کی حیثیت سے نہ صرف دنیا کو تقسیم کرنے والے معاشی، سیاسی، نسلی برتری کے منبع سے واقف ہیں اور ان کی حکمت عملی سے بھی آگاہ ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ بڑی جرات کے ساتھ نہ صرف استحصال کرنے والوں کو بے نقاب کرتی ہیں بلکہ امتیاز اور استحصال کا نشانہ بننے والوں سے سے ہمدردی بھی رکھتی ہیں۔

"وہ ناانصافی اور تشدد کے خلاف بلا جھجک احتجاج کرتی ہیں خواہ وہ مذہب کے نام پر ہو خواہ قومیت کے نام پر اور نسل کے نام پر ہو زاہدہ استحصال کے خلاف آواز بلند کرتی ہیں خواہ وہ قوموں کا ہو یا محنت کش طبقے کا۔۔۔ اور کہیں بھی ہو۔"۲۶

زاہدہ حنا قلم کار کی حیثیت سے تعصب سے بالاتر ہو کر انسانی مسائل کو زیر بحث لاتی ہیں۔ معاشرے میں مذہب پرستی، ملائیت، تنگ نظری فکری جکڑ بندی، وجود کے ثقافتی بحران اور شناخت کا مسلہ، انسانی وجود کی کم مائیگی، نائن الیون کے بعد عام آدمی کی نفسیاتی اور معاشرتی تنہائی جیسے تکلیف دہ مسائل کو موضوع بنایا۔ زاہدہ حنا کے کرداروں میں ڈایسپورا شناختی بحران کا شکار ہیں، زاہدہ حنا ان کا مقدمہ لڑتی نظر آتی ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد بے بسی اور احساس محرومی نے جنم لیا دو کروڑ انسانوں کی نقل مکانی نے نئے مسائل پیدا کیے۔ زاہدہ حنا نے اپنی تحریروں سے انسانیت کے سوئے ہوئے ضمیر کو بیدار کیا اور نقل مکانی اور نئے سماجی مسائل کو اپنی تخلیقات میں پیش کیا۔

حوالہ جات

1.. Sheffer, G. .A New Field of Study: Modern Diasporas in International Politics. (.) Modern diasporas in international politics, Volume 8,1986.
2. (. Safran, W. (Diasporas in Modern Societies: Myths of Homeland and Return. A Journal of Transnational Studies volume 1 number 1 1991.)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

3.Nodira Adulloeve, diaspora and transnational identities, INTERNATIONAL Organization of migration Geneva, 2023., pg 11

۴۔۔ڈاکٹر انوار خالد, عصر حاضر کی باشعور کہانی کار مشمولہ زاہدہ حنا تحقیقی اور تنقیدی مطالعہ, الحمد پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۱۷، ص،۱۱

۵۔ آل احمد سرور، پروفیسر، تشخص کی تلاش کا مسئلہ اور اقبال،، اقبال انسٹی ٹیوٹ کشمیر یونی ورسٹی سرینگر، بار اول، اپریل ۱۹۸۴ص:۵، ۴

۶۔ آل احمد سرور، پروفیسر، تشخص کی تلاش کا مسئلہ اور اقبال، اقبال انسٹی ٹیوٹ کشمیر یونی ورسٹی سرینگر، بار اول، اپریل، ۱۹۸۴، ص:۱۱

۷۔سبط حسن، پاکستانی تہذیب کا ارتقا، مکتبہ دانیال، عبداللہ ہارون روڈ کراچی، ۱۹۸۹، ص:۱۱

۸۔۔رومیلا تھاپر، ماضی بطور حال (تاریخ کے تناظر میں شناختوں کا ارتباط)، مشعل بکس عوامی کمپلکس عثمان بلاک نیو گارڈن ٹاون لاہور ۲۰۱۴، ص ۲۱

۹۔عالم خوندمیری، تشخص اور تنوع، مشمولہ تشخص کی تلاش کا مسئلہ اور اقبال اقبال انسٹی ٹیوٹ کشمیر یونی ورسٹی سرینگر، بار اول، اپریل ۱۹۸۴،، ص:۲۸

۱۰۔ فرانسز فوکویاما۔شناخت، مترجم عدنان ظفر، سٹی بک پوائنٹ کراچی، ۲۰۲۳، ص ۱۰۲

۱۱۔زاہدہ حنا، منزل ہے کہاں تیری مشمولہ رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۱۔، ص:۷

۱۲۔زاہدہ حنا، منزل ہے کہاں تیری مشمولہ رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۱، ص:۹۸

۱۳۔زاہدہ حنا، منزل ہے کہاں تیری مشمولہ رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۱۔ص:۵۷

۱۴۔، ص زاہدہ حنا، منزل ہے کہاں تیری مشمولہ رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۱۔:۷۱

۱۵۔خان شاہد وہاب اردو فکشن میں ہجرت ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس دہلی، ۲۰۰۵، ص ۱۰

۱۶۔زاہدہ حنا، رانا سلیم سنگھ مشمولہ رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۱، ص:۱۳۵

۱۷۔ایڈورڈ سعید، شرق شناسی، مقتدرہ قومی زبان پاکستان، ۲۰۱۲، ص:۲۰

۱۸۔زاہدہ حنا، رانا سلیم سنگھ مشمولہ رقص بسمل ہے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۱، ص:۱۳۶

۱۹۔۔زاہدہ حنا، تنہائی کا چاہ بابل مشمولہ رقص بسمل ہے الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۱، ص:۱۹۳

۲۰۔ڈاکٹر محمد افضال بٹ، اردو ناول میں سماجی شعور، پورب اکادمی اسلام آباد اپریل ۲۰۰۹، ص ۱۵۷

۲۱۔ڈاکٹر شہزاد منظر، (پاکستان میں اردو افسانے کے پچاس سال، پاکستان اسٹڈی سینٹر جامعہ کراچی اگست ۱۹۹۷، ص ۱۰۷

۲۲۔زاہدہ حنا، معدوم ابن معدوم مشمولہ رقص بسمل ہے الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۱، ص:۴۴

۲۳۔، زاہدہ حنا، معدوم ابن معدوم مشمولہ رقص بسمل ہے الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۱، ص:۴۴

۲۴۔زاہدہ حنا، معدوم ابن معدوم مشمولہ رقص بسمل ہے الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۱، ص:۴۹

۲۵۔اقبال احمد، سامراج کے مقابل، ترجمہ حمید جہلمی، مشعل بکس عوامی کمپلکس عثمان بلاک نیو گارڈن ٹاون لاہور، ۲۰۰۱، ص:۴۲

۲۶۔امام علی نازش، کچھ زاہدہ حنا کے بارے میں، مشمولہ زاہدہ حنا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، الحمد پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۱۷، ص:۳۱